محمد عبداللہ قریشی

پنجاب کونسل کی نیابت اور اقبال

یوں تو علامہ اقبال ذہنی طور پر حریت پسند تھے مگر عملاً سیاسی جوڑ توڑ کے آدمی نہیں تھے۔ یہ کہنے کے باوجود کہ:

یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں
کہ فیض عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

ان کی سیاسی فراست کئی سیاست دانوں پر بھاری تھی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے خیال میں تو "ایک سیاست دان کے لحاظ سے بھی وہ کوئی معمولی حیثیت کے مالک نہیں تھے"۔ دینِ اسلام کے نصب العین اور اس کے شاندار مستقبل پر کامل اور محکم یقین رکھنے کی وجہ سے وہ ان معدودے چند افراد میں شامل تھے جو مسلمانوں کی سربلندی کے لیے دن رات گھلتے رہتے ہیں۔ برادرانِ وطن کی تنگ نظری دیکھ کر حضرت علامہ ہی نے سب سے پہلے اس امکان پر غور کیا کہ برعظیم ہند کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں کو، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، باقی ہندوستان سے الگ کر کے ایک یا متعدد اسلامی ریاستیں بنایا جا سکتا ہے۔ پھر یہ جاننے کے باوجود کہ:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

ان کے دوستوں، ملنے والوں اور عقیدت مندوں نے کہہ سن کر بڑے اصرار کے ساتھ انھیں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا رکن بن کر ملک و ملت کی خدمت کرنے پر راضی کر ہی لیا۔

۱۹۲۶ء کے انتخابات میں اقبال لاہور کے شہری حلقے کی طرف سے امیدوار کھڑا ہونے پر آمادہ تو ہو گئے مگر ابھی انھیں اعلان کرنے میں کسی قدر تردد تھا۔ کیونکہ ان کے نہایت ہی عزیز دوست میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء لاہور اس حلقے کی نیابت فرما رہے تھے اور اقبال نہیں چاہتے تھے کہ ان کا مقابلہ کریں اور مشترک دوستوں کو امتحان میں ڈالیں۔ اس سے پہلے بھی لوگوں نے اقبال کو مجبور کیا تھا

وہ اس پر راضی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۵ مئی ۱۹۲۳ء کو ایک خط میں جو خان نیاز الدین خان کے نام ہے، اقبال کے یہ فقرے ملتے ہیں:

"مجھ سے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ لاہور کی نیابت کونسل میں کروں۔ لیکن اور امیدوار بھی ہیں اور میں یہ بات خلافِ انصاف تصور کرتا ہوں کہ ان سے کہوں کہ تم میری خاطر امیدواری سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ وعدۂ امداد کے لیے شکر گزار ہوں مگر غالباً میں کھڑا نہ ہوں گا۔ ہاں اگر لاہور کے لوگوں نے مجبور کیا تو یہ بوجھ سر پر اٹھانا ہوگا۔"[۵۱]

۲۵ جون ۱۹۲۳ء کے خط میں خان نیاز الدین خاں کو پھر لکھا:

"لاہور کے مسلمانوں نے مجھ سے بہت کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اب تک انکار اصرار بدستور جاری ہے۔ قریباً ہر روز اُن کا ایک نہ ایک وفد آجاتا ہے۔"[۵۲]

۲۰ جولائی ۱۹۲۳ء کو پھر اعادہ کیا:

"غالباً میں الیکشن کے ہنگامے میں نہ پڑوں گا۔ لاہور کے لوگ مجبور کرتے ہیں اور بہت سے ڈیپوٹیشن ان کے آچکے ہیں مگر میاں عبدالعزیز سے مقابلہ کرنا میں نہیں چاہتا۔ ان سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ اگرچہ مقابلے کے بعد انتخاب ہو جانا قریباً یقینی ہے۔ تاہم یہ بات میرے نزدیک مروت کے خلاف ہے کہ ایک موہوم دنیوی فائدے کی خاطر دیرینہ تعلقات کو نظر انداز کر دوں۔"[۵۳]

میاں عبدالعزیز لاہور کی ارائیں برادری کے ایک ممتاز رکن تھے۔ ان کو اقبال کے ان خیالات کا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اقبال ان کو بلا مقابلہ کامیاب کرانے کے لیے گزشتہ انتخابات میں ان کے مقابلے پر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس دفعہ اقبال اس حلقے کی نمائندگی کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے نہایت محبت اور ایثار کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۳ جولائی ۱۹۲۶ء کو مدیر روزنامہ زمیندار کے نام مندرجہ ذیل مراسلہ لکھا جو شائع ہوا:

"میرے بہت سے احباب نے پنجاب کونسل کے آئندہ انتخاب کے متعلق مجھ سے دریافت کیا

---

[۵۱] مکاتیبِ اقبال، ص ۴۵ [۵۲] ایضاً، ص ۴۶

[۵۳] مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص ۴۶

ہے۔ میں اس کے جواب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لاہور قصباتی حلقہ ہے، جس کا آج کل کونسل میں نمائندہ ہوں، آئندہ انتخاب میں میں نے اس حلقہ سے امیدوار ہونے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ میرے فاضل دوست ڈاکٹر سر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء اس حلقہ سے کھڑے ہوں گے، میں اپنا اور ان کا مقابلہ کئی ایک وجوہ کی بنا پر مناسب خیال نہیں کرتا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہے کہ میں انشاءاللہ حلقہ لاہور سے اس انتخاب میں ان کی مدد کروں گا۔

(۱) کونسل کی رکنیت کوئی جدی وراثت نہیں کہ ہر دفعہ ایک ہی شخص اس کو اپنے قابو میں رکھے بلکہ مختلف صاحبان کو موقعہ ملنا چاہیے۔

(۲) ڈاکٹر صاحب نہ صرف میرے مہربان اور دوست ہیں بلکہ مسلّمہ طور پر صاحبِ لیاقت و قابلیت ہیں۔

(۳) ڈاکٹر صاحب موصوف اور میرے مابین اس رکنیت کے لیے مقابلہ ہونا نہایت نامناسب ہے۔

(۴) سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں کا ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہونا لاہور کے ہزاروں مسلمان صاحبان میں کش مکش، رنجش اور تفریق ڈالنے کا باعث ہوگا۔ کیونکہ ابھی تک ہم میں وہ خیالات پیدا نہیں ہوئے کہ انتخاب میں مقابلہ صرف عارضی شے ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ کے لیے فرقہ بندی یا عداوت و دشمنی پیدا کر لی جائے۔

آخیر میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کرے کہ مسلمان قومیت، فرقہ بندی، دیہاتی اور قصباتی کے سوالات کو نظر انداز کر کے آئندہ بہترین تعلیم یافتہ نمائندے، جو ملک اور قوم کے حقوق کی پوری حفاظت کرنے کے قابل ہوں، بھیجیں گے[۵۴]

میاں عبدالعزیز کے دست بردار ہو جانے کے بعد اقبال کو یہ اعلان کرنے کا حوصلہ ہوا:

"میرے تمام احباب اور اکثر معززین و باشندگانِ شہر کو ایک مدت سے معلوم ہے کہ میں پنجاب کونسل کے آئندہ انتخابات میں حلقہ لاہور کی طرف سے بطور امیدوار کھڑا ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں لیکن میں اب تک اس کے متعلق باقاعدہ اعلان کرنے سے محترز رہا، اس لیے کہ میرے عزیز دوست میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ایٹ لاء موجودہ کونسل میں اس حلقے کی طرف سے نمائندگی فرما رہے ہیں اور میں

---

[۵۴] روزنامہ زمیندار، ۲۵ جولائی ۱۹۲۶ء

نہیں چاہتا کہ میرا ارادۂ امیدواری میرے کسی دوست کے ارادے سے متصادم ہو اور مسلمانوں پر تفریق اور کشمکش کا دروازہ کھلے۔ میں میاں عبدالعزیز صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ حلقۂ لاہور کی طرف سے امیدوار بننے کا ارادہ میرے حق میں ترک فرما چکے ہیں اور اس کی نسبت "زمیندار" میں ان کا اعلان بھی شائع ہو گیا ہے۔ لہٰذا انھوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ مجھے کامیاب بنانے کی پوری کوشش فرمائیں گے۔

"اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی امیدواری کا باقاعدہ اعلان کر دوں۔ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ میں اب تک اس قسم کے مشاغل سے بالکل علیحدہ رہا۔ محض اس لیے کہ دوسرے لوگ یہ کام انجام دے رہے تھے اور میں نے اپنے لیے دوسرا دائرۂ کار منتخب کر لیا تھا۔ لیکن اب قوم کی مصیبتیں مجبور کر رہی ہیں کہ میں اپنا حلقۂ عمل قدرے وسیع کروں۔ شاید میرا ناچیز وجود اس طرح اس ملت کے لیے زیادہ مفید ہو سکے، جس کی خدمت میں میری زندگی کے تمام لیل و نہار گزرے ہیں۔ میرے خیالات و جذبات ہر مسلمان پر روزِ روشن کی طرح آشکارا ہیں اور مجھے کامل امید ہے کہ وہ کونسل میں اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے میری ذات پر اعتماد کرنے میں ایک لحظہ کے لیے بھی متامل نہ ہوں گے۔ میں اپنے طول و طویل دعاوی کو شائستہ توجہ نہیں سمجھتا۔ عمل دلی جذبات کے ملفوظ اظہارات کا بہترین معیار ہے۔ خدا کرے کہ میں اس معیار پر پورا اُتر سکوں۔

"آخر میں میں پھر اپنے عزیز دوست میاں عبدالعزیز صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، نیز ان اصحاب کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے میاں عبدالعزیز صاحب کے اعلانِ دست برداری کے بعد بذریعہ "زمیندار" مجھ پر کامل اعتماد کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے اس اعتماد کو حق بجانب کرنے کی توفیق دے۔ آمین!"[۵]

اس اعلان کے بعد میاں عبدالعزیز کی دیکھا دیکھی لاہور کی ککے زئی برادری کے ممتاز رکن ملک محمد حسین ایڈووکیٹ بھی حضرت علامہ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ اور بھی کئی برادریوں اور فرقوں نے متفقہ فیصلے کر کے اپنی حمایت کا یقین دلایا اور لاہور شہر کے مختلف حصوں میں قریباً بیس جلسے منعقد کر کے لوگوں سے استدعا کی کہ حضرت علامہ کو بلا مقابلہ منتخب کیا جائے۔ لیکن ارائیں برادری

---

۵ زمیندار، ۲۰ جولائی ۱۹۲۶ء

کے ایک اور بزرگ ملک محمد دین نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ملک صاحب کے حامیوں کی طرف سے علامہ کو وہابی، نجدی، کذاب، جھوٹا، دشمنِ اسلام اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہا گیا۔ اشتہار شائع ہوئے، جن میں ڈاکٹر صاحب کے عقاید و اعمال پر حملے کیے گئے۔ آٹھ اشتہار تو ایسے تھے جن میں ہر اشتہار پر ایک سوال ہوتا تھا مگر اس قسم کے اشتہارات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا اور ان کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ حضرت علامہ کا ارشاد تھا کہ کسی جلسے میں کسی کے خلاف کچھ نہ کہا جائے اور اگر کوئی جوش میں آکر کچھ کہہ بھی دیتا تھا تو اُسے روک دیا جاتا تھا۔ بعض جلسوں میں ارائیوں کی تعریف بھی کی گئی۔

اتفاق سے علامہ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک یادداشت اب تک موجود ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ مخالفین نے تیرہ چودہ اشتہاروں میں کیا کیا الزامات لگائے۔ پھر ان جماعتوں اور برادریوں کے نام بھی معلوم ہوتے ہیں جنھوں نے متفقہ فیصلہ جات کا اعلان کرکے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ اقبال کو بادلِ نخواستہ خود بھی بعض انتخابی جلسوں میں شریک ہو کر تھوڑی بہت بھاگ دوڑ کرنی پڑی، جو اُن کی افتادِ طبع کے سراسر خلاف تھی۔

۱۱۔ اکتوبر کو ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے حضرت علامہ نے فرمایا:

"میں انگریزی، اُردو، فارسی میں برنگِ نثر بھی اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا۔ لیکن یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ طبائع نثر کی نسبت شعر سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ لہٰذا میں نے مسلمانوں کو زندگی کے صحیح مفہوم سے آشنا کرنے، اسلاف کے نقشِ قدم پر چلانے اور ناامیدی، بزدلی اور کم ہمتی سے باز رکھنے کے لیے نظم کا ذریعہ استعمال کیا۔ مَیں نے پچیس سال تک اپنے بھائیوں کی مقدور بھر ذہنی خدمت کی۔ اب میں ان کی بطرزِ خاص خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہا ہوں۔

"اسلامیانِ ہند پر عجب دور گزر رہا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں ایک شاہی مجلسِ تحقیقاتِ اصلاحات، جسے رائل کمیشن کہتے ہیں، یہ تحقیقات کرے گی کہ آیا ہندوستان مزید رعایات اور اصلاحات کا مستحق ہے یا نہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان بھی اس باب میں پوری توجہ سے کام لیں اور اپنے حقوق کا تحفظ کریں۔ ممبر کا سب سے بڑا وصف یہ ہونا چاہیے کہ ذاتی اور قومی منفعت کی ٹکر کے وقت اپنے شخصی مفاد کو قوم پر قربان کر دے۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں کبھی بھی اپنے مفاد کو قوم کے مصالح کے مقابلے میں ترجیح نہیں دوں گا اور رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس امر کی توفیق بخشے کہ میں آپ کی

خدمت کر سکوں۔ میں اغراضِ ملی کے مقابلے میں ذاتی خواہشوں پر مر مٹنے کو موت سے بدتر خیال کرتا ہوں۔"[۵۵]

۵ اکتوبر کو ایک زبردست جلسہ ٹکسالی دروازے کے اندر زیرِ صدارت ملک محمد حسین منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، راجہ غضنفر علی اور شیخ حسن الدین وکیل نے علامہ اقبال کی حمایت میں پُرزور تقریریں کیں۔ ڈاکٹر کچلو نے ارشاد فرمایا:

"حضرات! علامہ اقبال کی کشش مجھے اس جلسے میں کھینچ لائی ہے۔ علامہ ممدوح میرے محترم اور عزیز دوست ہیں۔ آپ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ انھوں نے اپنے کلام میں مردہ قوم میں زندگی کی ایک نئی قوت پیدا کر دی ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے اس عظیم محسن کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ اگر آپ ڈاکٹر صاحب کی قابلیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو آپ میرے ساتھ یورپ چلیں، ممالکِ اسلامیہ کا چکر کاٹیں۔ آپ پر ڈاکٹر صاحب کے کمالات منکشف ہو جائیں گے۔ مَیں سپاہی ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں۔ مَیں حلفیہ عرض کرتا ہوں کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب پنجاب کونسل کے سلسلے میں اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور انتخاب کے جلسوں میں شرکت کی زحمت گوارا کر رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم ڈاکٹر صاحب سے درخواست پر دستخط کراتے اور پھر بلا مقابلہ آپ کو ہار پہنا کر کونسل ہال میں چھوڑ آتے۔ میں سخت شرم اور رنج کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کیسی بدنصیب ہے وہ قوم جس کے بعض افراد اقبال جیسی شخصیت کے مقابلے میں کھڑے ہونے سے باز نہیں آتے۔ قوم کو چاہیے تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے التجا کرتی، ہاتھ جوڑتی، منت کرتی اور ان کو ان کے دولت کدے سے باہر نکال کر رہنمائی کی باگ ان کے سپرد کرتی اور بڑے اطمینان سے آپ کو کونسل میں بھیجتی ..... کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب شاعر ہیں، فلاسفر ہیں، آپ کو سیاست سے کیا تعلق؟ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمان رہبروں نے بلکہ ہندو لیڈروں نے بھی، جب کبھی ان کو ملک اور قوم کی ترقی و بہبودی کے لیے سیاسیات میں مشورہ طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا ہے اور آپ نے ان کو اپنے قابلِ قدر مشورے سے مستفید و مستفیض فرمایا ہے۔ مقامِ حیرت ہے کہ انگریزوں کی پارلیمنٹ میں، جو جہان بھر کی پارلیمنٹوں کی ماں ہے، یہ دستور ہے کہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے

---

[۵۵] روزنامہ زمیندار ۴ اکتوبر ۱۹۲۶ء

پروفیسروں کو مدعو کر کے مشکل مسائل پر ان سے لیکچر کرائے جاتے ہیں اور یہاں ایک بے مثال فاضل شخصیت کی نسبت ایسی بے بنیاد باتوں کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس کی قابلیت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا ......

دعویٰ یہ ہے کہ ہماری اکثریت ہے ۔ ہم کو زیادہ حقوق ملنے چاہئیں ۔ دوستو! تحفظِ حقوق کا بہترین طریق یہ ہے کہ ہم بہترین نمائندے بھیجیں ...... مجھ کو ایک دوست سے ملنے کی غرض سے کونسل میں جانے کا اتفاق ہوا ۔ وہاں یہ نظر آیا کہ ہندوؤں کے نمائندے تو ایک ایک لفظ پر محشر بپا کر دیتے ہیں اور مسلمان خوابِ خرگوش میں پڑے ہیں ۔ کئی ایک ممبر ایسے ہیں جو انگریزی ہی نہیں جانتے ۔ بعض کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کونسل کیا چیز ہے ؟ جو شخص اتنا نہیں سمجھتا وہ نیابت کیا کر سکتا ہے ؟ افسوس ہے کہ جس نے اپنے علم، عقل، مذہبی واقفیت، فلسفہ اور شعر سے مسلمانوں کی بہترین خدمت کی ہے، آج اس کی بھی مخالفت کی جا رہی ہے ۔ افسوس ہے کہ اس قحط الرجال میں بھی یہ قوم اپنے قابلِ قدر آدمیوں کی قدر نہیں کرتی ۔ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ ڈاکٹر اقبال کی مخالفت ملک کی صحیح سیاست اور تہذیبِ اسلام کی مخالفت کے مترادف ہے۔[۵۴]

مجھے یاد ہے کہ اس جلسے میں علامہ اقبال مثنوی اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ اپنے ہمراہ لائے تھے جو کیمبرج کے پروفیسر نکلسن نے کیا تھا ۔ آپ نے اس کے دیباچے کا کچھ حصہ پڑھ کر بھی سنایا تھا جس کا بہت اچھا اثر ہوا تھا ۔ جلسے کے اختتام پر علامہ نے معززین، رضاکاران اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا :

"میں جناب حاجی شمس الدین صاحب (ٹھیکیدار فروش بیرون دہلی دروازہ) کا بالخصوص شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے قبولیتِ حق میں سبقت فرمائی ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آج صبح ایک وفد جناب حضرت مہر صوبہ صاحب کی سرکردگی میں میرے پاس پہنچا کہ مجھ کو ملک محمد دین صاحب کے حق میں دست بردار ہو جانا چاہیے ۔ میں نے اس وفد کے سامنے اسلامیت کا اصول پیش کیا کہ مسلمانوں کا نائب وہی ہو سکتا ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے ۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حاجی شمس الدین صاحب نے اس اصولِ حقہ کو سب سے پہلے قبول کیا ۔ آپ باوجود ضعیف العمری کے ہمراہِ جلوس رہے ۔ اب ہم کو پھر ابراہیمی کام کرنا ہے اور ذات پات کے بت کو پاش پاش کرنا ہے ۔ میں نوجوانوں کے سامنے عنقریب ایک سوشل پروگرام پیش کرنے والا ہوں۔"[۵۵]

---

۵۴ اقبال اور پنجاب کونسل، صفحات ۵۰، ۵۱

۵۵ روزنامہ زمیندار، ۲۳ ر اکتوبر ۱۹۲۶ء

۱۹ اکتوبر کو علامہ نے ایک اور تقریر میں فرمایا:

"مسلمانوں کی زندگی کا راز اتحاد میں مضمر ہے۔ میں نے برسوں مطالعہ کیا۔ راتیں غور و فکر میں گزاریں تاکہ وہ حقیقت معلوم کروں جس پر کاربند ہو کر عرب حضورؐ سرور کائنات کی صحبت میں تیس سال کے اندر اندر دنیا کے امام بن گئے۔ وہ حقیقت اتحاد و اتفاق میں ہے جو ہر شخص کے لبوں پر جاری رہتی ہے کاش ہر مسلمان کے دل میں بیٹھ جائے۔ نسلی اور اعتقادی اختلافات میں تنگ نظری اور تعصب نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ اختلاف رائے ایک طبعی امر ہے، اس لیے کہ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی نظر مختلف ہے، اسلوب فکر مختلف ہوتی ہے۔ لیکن اس اختلاف کو اس طریقے پر رکھنا چاہیے جس طرح کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اُسے رکھا۔ اس صورت میں اختلاف رحمت بن جاتا ہے۔ مسلمانو! میں تمھیں کہتا ہوں کہ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو متحد ہو جاؤ۔ اختلاف بھی کرو تو اپنے آبا کی طرح تنگ نظری چھوڑ دو۔ تنگ نظری چھوڑنے سے سب اختلافات مٹ سکتے ہیں۔

"مسلمانانِ ہند کے لیے دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی سیاسیات کے ساتھ گہری دل بستگی پیدا کریں۔ جو لوگ خود اخبار نہ پڑھ سکتے ہوں، وہ دوسروں سے سنیں۔ اس وقت جو قوتیں دنیا میں کار فرما ہیں، ان میں سے اکثر اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں لیکن:

لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ

کے دعوے پر میرا ایمان ہے کہ انجام کار اسلام کی قوتیں کامیاب اور فائز ہوں گی۔

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ہ

میں کہتا ہوں کہ مخالف کو بھی نرمی سے سمجھاؤ۔

جادلھم بالتی ھی احسن

قلب کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ محبت سے رام ہو سکتا ہے، مخالفت اور عداوت سے رام نہیں ہو سکتا۔"[۵۹]

عجیب معاملہ ہے کچھ ولایتِ دل کا
کہ اک نگاہ سے ہوتا ہے یہ نگر تسخیر

---

۵۹ روزنامہ زمیندار، ۲۱ر نومبر ۱۹۲۶ء

خدا خدا کر کے الیکشن کا دن آیا۔ ۲۳ نومبر ۱۹۲۶ء کو دونوں امیدواروں نے اپنے مورچے سنبھالے۔ ووٹ ڈالنے کے لیے ۴۴ پولنگ اسٹیشن قائم کیے گئے۔ کل بارہ ہزار ووٹوں میں سے ۶۸ فیصد ووٹ ڈالے گئے جن میں سے پانچ ہزار چھ سو پچھتر (۵۶۷۵) ڈاکٹر صاحب کو اور دو ہزار چار سو اٹھانوے (۲۴۹۸) ان کے حریف ملک محمد دین کو ملے۔

۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اس انتخابی مہم کے نتیجے میں حضرت علامہ تین ہزار ایک سو ستتر (۳۱۷۷) ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کے صحیح نمائندے کی حیثیت سے پنجاب کونسل میں حتی المقدور نہایت نیک نیتی سے مفید کام کیا۔ اس کونسل کی تین سالہ رکنیت کے دوران میں ڈاکٹر صاحب نے قومی اور ملکی مسائل پر تاریخی اہمیت کی تقریریں بھی کیں جو چھپ جانی چاہئیں۔

کونسل میں حضرت علامہ نے ایک تحریک تو یہ پیش کی کہ بانیانِ مذاہب پر توہین آمیز، شر انگیز اور کمینہ حملوں کی اشاعت کا سدباب کرنے کے لیے ایک قانون نافذ کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء ہی سے یہ قانون نافذ چلا آتا ہے۔

حویلی کابلی مل لاہور میں چند سر پھرے سکھوں نے بے گناہ نہتے مسلمان نمازیوں پر کرپان کا جو غلط استعمال کیا تھا، اس سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے لیے تلوار کو قانون اسلحہ ہند سے مستثنیٰ کرانے کی آپ نے دوسری تحریک پیش کی اور "آزادئ شمشیر کے اعلان" پر یہ نظم کہی جو بعد میں "ضربِ کلیم" میں شامل کی گئی۔

سوچا بھی ہے اے مردِ مسلماں کبھی تو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار؟
اس بیت کا یہ مصرعِ اوّل ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرِ کرارؓ

شراب کی لعنت دور کرنے کے لیے قرارداد پیش کرنے کے علاوہ زمین کا لگان معاف یا کم کرانے اور انکم ٹیکس اور معاملہ اراضی کا فرق بتانے، نیز زمین کو سرکاری ملکیت سے مستثنیٰ قرار دینے پر حضرت علامہ کی تقریر بڑی پر زور، طویل اور پر مغز تھی۔

کہنے کی باتیں تو یہی تھیں جو میں نے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دیں۔ اب کچھ سنی سنائی، کچھ آنکھوں دیکھی، کچھ گفتنی کچھ ناگفتنی اور ذاتی قسم کی باتیں بھی سن لیجیے۔

یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتش جواں تھا

الیکشن کے اس سارے ہنگامے میں میری حیثیت محض ایک تماشائی کی نہیں بلکہ ایک خاموش کارکن کی تھی۔ شہر کے دوسرے علم دوست نوجوانوں کی طرح میں بھی حضرت علامہ کے زبردست حامیوں میں تھا اور ان کی انتخابی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے رضاکارانہ کام کر رہا تھا۔ رائے دہندگان کی محلہ وار فہرستیں تیار کرنے کے ذمہ دار، سرکردہ اور اثر و رسوخ والے اصحاب کی خدمت میں پہنچانے کا کام میرے سپرد تھا۔ ہمارا مرکزی دفتر کوچہ کوٹھی داراں میں خواجہ محمد سلیم کی بیٹھک تھی جو کشمیری بازار میں واقع ہے۔ حاجی دین محمد کاتب بھی اسی گلی میں رہتے تھے۔

ایک روز ملک لال دین قیصر، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، مولوی محمد بخش مسلم اور شیخ غلام مصطفیٰ حیرت کے ہمراہ میں بھی حضرت علامہ کی خدمت میں میکلوڈ روڈ والی کوٹھی پر حاضر ہوا۔ الیکشن کے کرتا دھرتا میرے یہی دوست تھے۔ علیک سلیک کے بعد پچھلی کارگزاری اور آئندہ انتظامی امور کے متعلق باتیں شروع ہوئیں، راز داری کے خیال سے یا ویسے ہی علامہ نے ایک دفعہ میری جانب یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں "یہ اجنبی کون ہے؟" ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے میرا تعارف کرایا اور کہا "یہ نہایت خاموش ورکر ہیں۔" علامہ نے ایک بار پھر میری طرف غور سے دیکھا اور فرمایا:

"ہاں! کام کرنے والے خاموش ہی ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد ضروری باتیں ہوئیں اور ہم اٹھ کر چلے آئے اور اس وقت تک سرگرم عمل رہے جب تک حضرت علامہ کامیاب نہیں ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی تائید و حمایت میں شہر کی گلیوں اور بازاروں سے جو جلوس یہ کہتے ہوئے گزرتے تھے۔

تری آگئی فوج اقبالی — تری آگئی فوج اقبالی

ان کا سماں آج بھی نگاہوں کے سامنے پھر رہا ہے۔ یہی نعرہ بعد میں اکالی دل نے اختیار کر کے "تری آگئی فوج اکالی" بنا لیا تھا۔ جلسوں میں پُرجوش تقریریں ہوتی تھیں۔ اخلاص سے لبریز نعرے لگائے جاتے تھے۔ کسی کسی چلتے ہوئے فقرے اور چبھتے ہوئے جملے میں ڈاکٹر صاحب کے حریف پر طنز بھی ہوتی تھی جسے ڈاکٹر صاحب پسند نہیں کرتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک جلسے میں جو سنہری مسجد کی سیڑھیوں کے آگے کشمیری بازار میں منعقد ہوا تھا خواجہ دل محمد مرحوم پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے ایک نظم گا کر سنائی تھی جس کا ایک مصرع یہ تھا:

اُڑ رہی ہیں آج کل تو واں پہ باقر خوانیاں

باقر خوانیوں کے پردے میں اقبال کے حریف ملک محمد دین پر ہلکی سی چوٹ تھی کیونکہ وہ چوہٹہ مفتی باقر میں رہتے تھے۔ علامہ اقبال کی طبع نازک پر یہ بات بھی ناگوار گزری۔ آپ نے سرگوشی کے انداز میں اپنے پاس والے سے کہا کہ "اس شخص کی ساری عمر شعر کہتے گزری مگر ابھی تک شعر نہیں آیا"۔ ان دنوں بعض منچلے کارکنوں نے کچھ پنجابی بول بھی موزوں کیے تھے جو بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے تھے:

اسی کسے نوں کج نئیں کہنا ساڈی محلے داری اے
اسی ارائیاں بھائیاں کولوں روز لینی ترکاری اے
گوبی وِچ وی پے گیا کیڑا ہور وی جو ترکاری اے
اسی ارائیاں نوں کج نئیں کہنا ساڈی محلے داری اے

علامہ اقبال کی طرف سے جو اشتہار شائع ہوتے تھے، ان پر علامہ کا کوئی نہ کوئی شعر ضرور ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک پوسٹر پر یہ شعر لکھا تھا:

مسلم خوابیدہ اُٹھ! ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر، گرم تماشہ تو بھی ہو

دوسرے پوسٹر پر یہ شعر درج تھا:

فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

غرض ہر شعر اقبال کے نصب العین کی نشاندہی کرتا تھا۔ حاجی دین محمد کاتب جو اپنے دور کے باکمال

خطاط تھے، اقبال کے معتقدوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے۔ وہ رات رات میں پوسٹر لکھتے، پریس میں لے جاکر اپنی نگرانی میں چھپواتے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے خود ہی دیواروں پر چسپاں کرا کے واپس آتے۔ سب حیران رہ جاتے کہ یہ کیسے ممکن ہوسکا۔ یہ سارا کام وہ بے مزد اتنی لگن سے کرتے تھے کہ علامہ اقبال محبت اور احسان مندی کے جذبے سے حاجی صاحب کو "کاتب کن فیکون" کہا کرتے تھے۔

اقبال کا یہ "خاموش کارکن" ۱۹۲۶ء کی پہلی ملاقات کے بعد کئی جلسوں اور تقریبوں میں ان سے ملا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مجلسوں میں بھی، جس کے اقبال صدر تھے برابر شریک ہوتا رہا مگر اسے ان کے سامنے لب کشائی کی جرأت کبھی نہیں ہوئی۔ ہمیشہ توجہ سے ان کی حکیمانہ باتیں سنتا اور اپنا کام کرتا رہا۔ آج بھی ہنگاموں سے دور، شہرت سے نفور، صلہ و ستائش سے بے پروا، علم و ادب کی خدمت میں مشغول ہے۔ آئینۂ اقبال، عکسِ اقبال، مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، باقیاتِ اقبال، معاصرینِ اقبال کی نظر میں، نوادرِ اقبال، معرکہ اسرارِ خودی، روح مکاتیب اقبال وغیرہ کئی کتابیں مرتب کرچکا ہے۔ اور حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں تلاش کر رہا ہے۔ اس کے باوجود جب کبھی اپنی بہتر سالہ زندگی پر نگاہ ڈالتا ہے تو حضرت علامہ کا یہ قول اسے یاد آجاتا ہے:

"ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش"

کئی صدیوں سے علما اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام علما جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہر دلعزیز نہیں ہوسکتے۔ یہ روش گویا علما کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی، مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا اور اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔

(مکتوب بنام اکبر الٰہ آبادی، اقبال نامہ دوم، ص ۴۸)